

۸۸

۶۵۹

۲۲/۶

۲۲/۶

۲۲/۳

۲۰۰۳

علی
الحی
کراچی

ایک شخص گھر سے کسی کام سے اٹھتا اور گم ہو گیا کئی سال پہلے سے وہ لوگ نہیں آئے، پتھر کے حالات بھی سن وقت گزرتا نہیں ہے کہ اسکی ملاکت کا فلز قابض قائم کیا جاسکے۔

انرا اور گم اسکی وراثت کے بارے میں شرعی حکم دریافت فرمادیں کہ اسکی وراثت کب تقسیم ہوگی؟
فقہ حنفیوں کے مطابق اور وقت دہی میں تو یہ وراثت ملتی ہے کہ اسکی وراثت سے نوے سال تک انتظار کیا جائیگا اس کے بعد اسکی وراثت کا فیصلہ لیا جائیگا وراثت تقسیم کی جائیگی۔

کیا انی وراثت تک انتظار کرنے میں حرج عظیم نہیں؟ آجکل نہ تربیت لال ہے اور نہ ہی قاضی وغیرہ اس کے وہ کلا مال محفوظ رکھنے سے رکھ سکیں، اور نہ ہی لوگوں میں اتنی رعایت اور امانت باقی ہے کہ اسے طویل عرصہ تک اسکی حفاظت کریں، اور بالآخر اگر کوئی شخص اسے اپنے لیے عرصہ تک حفاظت کرتا رہتا ہے تو خود اسکا اس عرصہ تک زکوٰۃ دینا ہی مسئلہ ہے اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء محدود نہیں ہوں امانت کا کیا کریں؟

پاکستان کے مختلف شہروں میں گورنر کی اور طاقتور شخصیتوں سے اتنی عین عمر تو سنائی دیتی ہے کہ گواہی ہے، نیز فقور شخصیتوں کی بیوی کے ورثہ میں مال کی یہ قول کہ خیرا اور خیرہ، جو وہ سن کر ہی بھی دیکھتے ہیں ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر اس شخص کی وراثت کی اور اس میں کوئی سہولت دلا سکتے ہیں انرا اور گم اس کے بارے میں شرعی حکم دریافت فرمادیں۔

جو الیم اور کوشن الزامہ
دراہم

بندہ عبد اللہ - کراچی

فتویٰ نمبر مع چیمبر نمبر	تاریخ نقل فتاویٰ	نام و پتہ مستفی	مضمون سوال و جواب	تبویب	عنوان
-----------------------------	---------------------	--------------------	-------------------	-------	-------

الجواب حامداً ومصلحاً

منفوقہ شخص کی موت کا فیصلہ کیا جائے اور اس کا شریک کب تقسیم کیا جائے گا؟ اس سلسلہ میں ظاہر الروایۃ تو یہ ہے کہ جب اسکے شہر کے اقران اپنی ہم عصر سب وفات پا جائیں تو سمجھا جائے گا کہ اب منفوقہ کی بھی موت ہو گئی ہے، چنانچہ اس کا شریک اسکے ان دائروں کے درمیان شریقی قاعدہ کے مطابق تقسیم کر دیا جائے جو اس وقت زنده موجود ہوں۔ لیکن یہ تحقیق کرنا کہ منفوقہ کے تمام اقران اور ہمدرد وفات پا چکے ہیں یا نہیں؟ عملی طور پر ایک مسئلہ کا نام ہے، کیونکہ یہ متاخرین فتاویٰ نے اپنے اپنے تجربات کی بنیاد پر اور اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کی عیون کو دیکھ کر موت الاقران کی سالوں میں تحدید کی، بعض نے کہا کہ ایک شہر میں سال بعد ایک موت کا فیصلہ کیا جائے اور اس کا شریک تقسیم کر دیا جائے، بعض نے شش سال کی تحدید کی، بعض نے نو تیس سال، بعض نے ششتر سال اور بعض نے دس ششتر سال کی تحدید کی۔

علامہ زبلی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اس کی سالوں میں تحدید نہ کی جائے بلکہ اسے قاضی و حاکم کی رائے پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ غور و فکر کرے اور منفوقہ کے حالات اور اسکے زمانہ کے حالات کو دیکھ کر اسے جب مناسب سمجھے اس کی موت کا فیصلہ کرے اور اس کا شریک اس وقت موجود اسکے ورثاء کے درمیان تقسیم کرے، چنانچہ علامہ زبلی تیسین الحقائق میں فرماتے ہیں:

والاختیار انہ لیسوا فی رأی الامام لانه یختلف باختلاف البلاد وکف اغلبة الظن یتختلف باختلاف الأشخاص فان الملائک العظیم اذا التقط خبره اذوب علی الظن فی أدنی مہمة أنه مات لاسیما اذا دخل فی مہلکة وما کان سبب اختلاف الناس فی مدتہ الا لاختلاف اراؤهم فیہ فلا معنی لتحدیرہ۔
(تیسین الحقائق: ۳/۳۱۲)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے، آپ دیگر فتاویٰ کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قوله: واختار الزبلی لیسوا فی رأی الامام قال فی الفتح: فأی وقت رأی المصلح حکم بموتہ، قال فی التہجد: وفي المناہج: قیل لیسوا فی رأی القاضی، ولا تقدیر فیہ فی ظاہر الروایۃ وفي القنیۃ: جعل ہذا روایۃ عن الامام ام قلت: والظاهر أن ہذا غیر خارج عن

منفوقہ کا مال کیا ہے؟
(سوال نمبر ۱۶۷)

رجسٹر نقل فتاویٰ جامعہ دارالعلوم کراچی

عنوان	تبویب	مضمون سوال و جواب	فتویٰ نمبر مع رجسٹر نمبر تاریخ نقل فتاویٰ نام و پتہ مستغنی
-------	-------	-------------------	---

ظاہر ۱ روایت ارتقا، بل صو اقرب الیہ من العول بالتقدیر
 لڑنے فسره فی شرح الرهبانیه بأن ینظر ویجتهد ویفعل
 ما ینذیر علی فتنہ فلا یعول بالتقدیر، لڑنے لم یرد بہ الشریع
 بل ینظر فی القرآن فی الزمان و فی المكان ویجتهد، ثم
 نقل عن معنی الخباہة حکایتہ عن الشافعی و محمد، و أنه الشیخ
 عن مالک و أبی حنیفہ و أبی یوسف، وقال الذہلی
 و مقتضاه (قول الذہلی) انه یجتهد ویحکم القسائن
 الظاہرة الدالة علی موته و علی هذا یستنبی علی ما فی
 جامع الفوائد حیث قال: و اذا فقد فی المملکة فتوح غالب
 فیحکم بہ، کما اذا فقد فی وقت الملاقاة مع العدو و أرمح
 و طاع الطریق أو سافر علی المرض الخالب ہلاکہ، أو کان
 سفہہ فی البحر و ما أسبہ ذلک حکم بموتہ لڑنے الخالب
 فی ہذہ الحالت و ان کان بین ا حتمین، و احتمال موته
 ناشئ عن دلیل لا احتمال حیاتیہ بل ان ہذا الاحتمال کا احتمال
 ما اذا بلغ المقصود بقدر ما لا یعیث علی حسب ما یختلف
 فی مقدار نقل من الغنیۃ اہم فی جامع الفوائد، و أفتی
 بہ بعض مشایخ مشائخنا و قال إنه أفتی بہ قاضی نزارہ
 صاحب جسد الفوائد، لکن لا یخفی انه لا یدون من مضمون
 برکت طریقتہ حتی یغلب علی الظن موته لا یجوز فقہ عند
 ملاقاة العدو أو سفہ البحر و نحوہ، لہذا ان کان ملکا عظیما
 فإنه اذا بقی حیاً تشہر حیاتیہ، فلما قلنا ان ہذا مبني
 علی ما قالہ الذہلی

جن فقہاء کرام برہم آئوئے اس مسئلہ میں مسالوں کی تردید کے ساتھ ظاہر ہے ان کا مقصد بھی
 اس نمونے سے ہے کہ مفقود کے اقران کی موت کو کسی موت کا قرینہ قرار دینا چاہیے اور انکی
 وجہ سے انکی موت کا حکم لگایا جائے، لیکن اگر کہیں اس قرینہ سے قوی قرینہ موجود ہو
 جس سے مفقود کی موت کا ظن غالب ہو جاتا ہو تو اس پر بطریق اولیٰ عمل کرنا چاہیے
 سوال میں ذکر کردہ امور اور خصوصاً موجودہ زمانہ کے حالات کو دیکھ کر
 راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوے سال یا ستر سال تک انتظار کا فتویٰ دینے
 کے بجائے علامہ زبیدی رحمہ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کرنے پر اس پر فتویٰ دیا جائے
 اور مفقود کی موت کا فیصلہ ایسے معاملہ میں دینا فرضی یا جمعی کی رائے پر چھوڑ دینا چاہیے
 جو معتد بہ موت تک مفقود کا انتظار کرے اور مفقود کے اقران کو مفقود کے ذرا حالات
 اور جس زمانہ اور جس جگہ وہ گم ہوا ہے اس زمانہ اور جگہ کے حالات اور اپنے موجودہ
 حالات کی پوری تفتیش و تحقیق کرے، ممکن تحقیق اور تفتیش کے بعد اگر اسکا ظن غالب
 ہو جائے کہ اب بظاہر مفقود کے زندہ ہونے کا امکان نہیں تو اسکی موت کا
 فیصلہ کرے۔ اس فیصلہ کے بعد اس کا ترکہ اسکے ان وارثوں کے درمیان منقسم

رجسٹر نقل فتاویٰ قتاوی جامعہ دارالعلوم کراچی

فتویٰ نمبر مع رجسٹر نمبر	تاریخ نقل فتاویٰ	نام و پتہ مستفتی	مضمون سوال و جواب	تبویب	عنوان
			قائدہ کے مطابق تقسیم کر دیا جائے جو اس وقت موجود ہیں۔ - ولادہ سے پہلے اُعلم علیہ اُمّہم (مگر دیگر متعلقہ عدالت منسکد صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)		
			دارالعلوم قتاویہ کراچی		
			جواب صحیح ہے تاہم اس مسئلے میں دوسرے اہل فتویٰ علماء سے رجوع کرنا بھی نہایت بہتر ہے	۳۳ - ۲۲۲۲	
			نہیں خود لکھی گئی تھی		
			۱۹ - ۲۲۲۲		
			دارالافتاء دارالعلوم کراچی		
			۲۲ - ۲۲۲۲		

۷۶

(۱) فی الدر المختار: ۲۹۵/۴؛ ولا یفرق بینہ و بینہا ولو بعد مضي أربع سنین خلافاً للکلام..... ولا یتحقق ما أوصی له إذا مات الموصی بل یوقف تسلمه إلى موت أقرانه فی یدہ علی المذہب لأنه الغالب واختار الزبلی لفویضہ للإمام وطریق قبول البینة أن يجعل التقاضی من فی ید ۱۵ مال خصماً عنه أو ینصب علیہ فیما قبل علیہ البینة قلت وفي طبعات المفتین لقدری أفندی معزاً للفتیة أنه إنما یتحكم بموته بقضائه لأنه أمر محتل فمال ینضم الیه القضاء لا یكون حجة -

وفي الشاشیة قوله خلافاً للکلام فان عنده تعدد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنین وهو مذہب الشافعی القدید وأما المیراث فمذہبنا کذا ھنا فی التقدیر بتسعين سنة أو الرجوع إلى رأي الحاكم وعند أحمد إن كان یغلب علی حاله الإھلاك کن فقديین الصغیرین أو فی مرکب قد انکسر أو خرج لحاجة قریبة فلم یرجع ولم یلم خبره فهذا بعد أربع سنین یقسم ماله وتعد زوجته بخلاف ما إذا لم یغلب علیہ الإھلاك کالمسافر لتجارة أو لسیارة فإنه یفرض للحاکم فی روائیة عنه وفي أخرى یقدر بتسعين من مولده كما فی شرح ابن شحنة الخ - قوله علی المذہب وقیل یقدر بتسعين سنة بتقدیم التاء من حین ولادته واختاره فی انکنز وهو الأرقق صدایة. وعلیہ الفتوی، زخیرة. وقیل بمائة وقیل بمائة وعشرون واختار المتأخرون ستین سنة واختار ابن الھمام سبعین سنة لقوله علیہ الصلاة والسلام: أعمار امتی ما بین الستین إلى سبعین فكانت المتعین غالباً، وذكر فی شرح الوصانیة أنه حکاه فی السیاحیح عن بعضهم قال فی البحر والعجب کیف یختارون خلاف ظاهر المذہب مع أنه واجب الإلتباع علی منقلبه أبی حنیفة، وأجاب فی النحر: بأن التخصص عن موت الأقران غیر ممکن أو فیہ حرج فحین هذا اختاروا تقدیره بالسن ام قلت: وقد یقال: لا مخالفة بل هو تفسیر لظاهر الروایة وهو موت الأقران لكن اختلفوا فمنهم من اعتبر أطول ما یعیش الیه الأقران غالباً ثم اختلفوا فیہ هل هو تسعون أو مائة أو مائة وعشرون، ومنهم وهم المتأخرون اعتبروا الغالب من الأعمار أي أكثر

فتویٰ نمبر مع رجسٹر نمبر	تاریخ نقل فتاویٰ	نام روایت مستحق	مضمون سوال و جواب	تبویب	عنوان
-----------------------------	---------------------	--------------------	-------------------	-------	-------

ما يعيش إليه الأقران ما نبأ لأطولوه فقد روه بستين لؤن من يعيش فوقها ناروا
الحكم الغالب، وقد روه ابن الهمام بسبعين للحديث لأنها نهاية هذا الغالب ويشير إلى
هذا الجواب قوله في الفتح بعد حكاية الأوتوال؛ والحاصل أن الإختلاف ما جاء
إلا من إختلاف الرأي في أن الغالب هذا في الطول أو مطلقا ١ - قوله واختار الزبلي
لتعليقه بالإمام قال في الفتح: فأسى وقت رأى المصاحبة حكم بموته. قال في النهر: وفي البيان:
قيل ينقض الخبر رأى القاضى، ولا تقدر فيه في ظاهرها الرواية. وفي القية: جعل هذا رواية
عن الإمام اه. قلت: والظاهر أن هذا غير خارج عن ظاهرها الرواية أيضا بل هو أقرب إليه

من القول بالتقدير لأنه فسرده في شرح الوصائية بأن ينظر ويحتمد ويعمل ما يندفع إلى
ظنه فلا يقول بالتقدير لأنه لم يرد به الشرع بل ينظر في الأقران وفي الزمان والمكان
ويحتمد. ثم قل من معنى المناظرة مكابته عن الشافعى ومحمد وأنه المشهور من مالك
وأبي حنيفة وأبي يوسف وقال الزبلي: لأنه يتخلف باختلاف البلاد وكذا غلبة الظن
تختلف باختلاف الأثرها من فإن الملك العظيم إذا قطع غيره يغلب على الظن في أرى مدة
أنه قد مات اه. ومقتضاه أنه محتمد وتحكم القرآن الظاهرة الدالة على موته. وعلى
هذا يفتى على ما في جامع الفتاوى حيث قال: وإذا فقد في المملوكة لموته غالب يحكم به
كما إذا فقد في وقت الملاقة مع العدو ومع قطع الطريق أو سافر على المرض الغالب
هلاكة أو كان سفره في البحر وما أشبه ذلك حكم بموته لأنه الغالب في هذه الإقتالات
وإن كان بين احتمالين واحتمال موته ناشئ عن دليل للا احتمال حياته لأن هذا الإحتمال
كإحتمال ما إذا بلغ المفقود مقدار ما لا يعيش على حسب ما اختلفوا في مقدار نقل من
الغنية اه ما في جامع الفتاوى. وأفتى به بعض مشائخنا وقال إنه أفتى به قاضى زارة
صاحب بحر الفتاوى لكن لا يخفى أنه لا بد من مضي مدة لمولية حتى يغلب على الظن موته
لإسبغ رفقده عند ملاقة العدو أو سفره البحر نحو الإزارة كان ملكا غلبا فإنه إذا بقي
حيا أشهر حياته. فلذا قلنا إن هذا مبنى على ما قاله الزبلي تأمل - (س ١٢)
(١٢) وفي الهداية: ٤/٦٢٣؛ وإذا تم له مائة وعشرون سنة من يوم ولد حكما بموته
قال رضى الله عنه وهذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وفي ظاهرها المذهب ليقدر بموت
الأقران وفي المروى عن أبي يوسف بمائة سنة وقد رجعهم بتسعين والأويس ان لا يقدر
بشئ والأزرق أن يقدر بتسعين، وإذا حكم بموته اعتدت امرأته عدة الوفاة من ذلك الوقت
وليسم ماله بين ورثته الموجودين في ذلك الوقت كأنه مات في ذلك الوقت معاينة
إذ العكس معتبر بالحق.

(١٣) قال ابن الهمام في فتح القدير: ٥/٣٣٣؛ قوله هذه رواية الحسن وجه رواية الحسن
أن الأعراف في زماننا قلما تزيد على مائة وعشرين بل لا يسمع أكثر من ذلك فيقدر بها تقديرا
بالأكثر ووجه ظاهرها الرواية أنه من النوادر أن يعيش الإنسان بعد موت
أقرانه فلا يتبين الحكم عليه ثم اختلفوا فذهب بعض المشائخ إلى أن المعتبر موت أقرانه
من جميع البلاد وأخرون أن المعتبر موت أقرانه في بلده فإن الأعراف قد تختلف طول وقصر
بحسب الأوطان بحسب اجرائه سبحانه وتعالى العادة ولهذا قالوا أن الصقالية أطول أمرا

فتویٰ نمبر مع رجسٹر نمبر	تاریخ نقل قتاوی	نام و پتہ مستفتی	مضمون سوال و جواب	تجویب	عنوان
-----------------------------	--------------------	---------------------	-------------------	-------	-------

من الروم فاما يدين: رآه رايه في بلده و لزن في ذلك... واختار الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن حامد
أنها تسعون سنة لأن الغالب في أعمار أهل زماننا هذا وهذا لا يصح إلا أن يقال أن
الغالب في الأعمار الطوال في أهل زماننا أن لا تزيد على ذلك نعم المتأخرون الذين
اختاروا ستين بنوه على الغالب من الأعمار والحاصل أن الاختلاف ما جاء إلا من اختلاف
الرأي في أن الغالب هذا في الطول أو مطلقا لهذا قال شمس الأئمة الألباني بطريق الفقه
أن لا يقدر بشي لأن نصب المقادير بالرأي لا يكون وهذا هو قول المصنف الرقيس الخ
وكن فتوى إذا لم يبق أحد من أقرانه يحكم بموته اعتبارا للعالمه بحال نظرته وهذا أرجح
إلا ظاهر الرواية قال المصنف والأرفق أي بالناس أن يقدر بتسعين وأرفق منه التقدير
بستين. وعند الأرحمن سبعون فتوى عليه السلام أعمار متى ما بين الستين إلى سبعين
فكانت المنع ما نأبوا وقال بعضهم لغرض الحار أي القاضى فأى وقت رأى المصلحة حكم بموته
واعتدت امرأته عدة الوفاة من وقت الحكم بالوفاة كأنه مات فيه معاينة إذ الحكمي معتبر
بالحقيقى - ابن 11/105

(4) وفي الهندية: 300/2 لا يفرق بينه وبين امرأته وحكم بموته بمضى تسعين سنة
وعليه الفتوى، وفي ظاهر الرواية يقدر بموت أقرانه فإذا لم يبق أحد من أقرانه حيا
حكم بموته ويعتبر بموت أقرانه في أهل بلده كذا في الكافي - والخيار أنه يعترف
إلى رأى الإمام كذا في التبيين -

(5) وفي المحل السابق: 145/5 قوله وحكم بموته بعد تسعين سنة لأنه الغاية في زماننا
والحياة بعد ما نادى فلا عبارة للناس وقد وقع الاختلاف في هذه واختلف الترجيح
فظاهر الرواية وهو المذهب أنه مقدر بموت الأقران في السن لأن من النوادر أن
يعيش الإنسان بعد موت أقرانه فلا يبتنى الحكم عليه فإذا بقي منه واحد لا يحكم بموته
واختلفوا في المراد بموت أقرانه فقبل من جميع البلاد وقيل من بلده وهو الأرجح كذا
في الذخيرة واختار المؤلف التقدير بالتسعين بتقدير البناء على السن تبعاً لإبن الفضل
وهو الأرفق كما في الهداية، وفي الذخيرة وعليه الفتوى، وعن أبي يوسف تقديره بمائة
سنة واختاره أبو بكر بن حامد، وفي رواية الحسن عن الإمام بمائة وعشرين سنة واختاره
القندوري، واختار المتأخرون ستين سنة واختار المحقق ابن الهمام سبعين سنة، واختار
شمس الأئمة أن لا يقدر بشي لأنه أليق بطريق الفقه لأن نصب المقادير بالرأي
لا يكون، وفي الهداية أنه الأرفق ونحوه بعضهم إلى القاضى فأى وقت رأى المصلحة
حكم بموته قال الشارح وهو المختار، والحاصل أن الاختلاف ما جاء إلا من اختلاف
الرأي أي في أن الغالب هذا في الطول أو مطلقا والعجب من المشايخ كيف يختارون
خلاف ظاهر المذهب مع أنه واجب الإلتزام على مقلدى أبي حنيفة، والإمام محمد لم يعتبر
بأي...

رجسٹر نقل فتاویٰ جامعہ دارالعلوم کراچی

فتویٰ نمبر مع رجسٹر نمبر	تاریخ نقل فتاویٰ	نام و پتہ مستفتی	مضمون سوال و جواب	تجویب	شمارات
-----------------------------	---------------------	---------------------	-------------------	-------	--------

السنين و إنما اعتبره المتقدمون بعده، وقال الصدر الشهيد في شرحه ما قال محمد أحمط
كما في التارخانية ولقد صدق من قال كثرة المتأخرات تفوق بكثرة الجهالات ومن الغريب
ما نقله في التارخانية أنه مقدس بتأيين سنة وعليه الفتوى -

(٦) وفي التارخانية: ٦١٢/٥؛ ويعتبر ميتاً في ماله ليعتد تمت المدة أو مات الأقران
..... ثم طرقت ثبوت المفقود إما بالبينة أو بموت الأقران وطريق قبول هذه
البينة أن يحل القاضي من في يده المال خصماً عنه أو ينصب عنه قياً يقبل عليه البينة
وأياموت الأقران فهو المذكور في الكتاب عن محمد، وليست موت جميع الأقران
وإن بقي واحد من أقرانه لا يحكم بموته ولم يذكر أنه يعتبر موت جميع أقرانه في جميع
البلدان أو في بلد المفقود، وقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم: يعتبر موت أقرانه من
أهل بلده، وهذا القول أرفق بالناس وفي الخلاصة وهو الأصح، ولم يعتبر محمد في موت
المفقود وحياته السنين، والمشايخ اعتبروا ذلك، والمتقدمون من المشايخ بعد محمد قد نزلوا
عمره بمائة وعشرين سنة وقالوا: متى مضى من مولده مائة وعشرون سنة يحكم بموته
وإن بقي بعض أقرانه في الأحياء ولا يحكم بموته قبل ذلك وإن مات جميع أقرانه
وفي الذخيرة: وإنه مروى عن أبي حنيفة، وعن نصير بن يحيى أنه قدس عمره بمائة سنة
ومروى عن أبي يوسف ----- وكان محمد بن سامة يفتى بقول أبي يوسف
في المفقود حتى تبين له خطؤه في نفسه فإنه عاش مائة وسبعين، فالأرق بطريق
الفتوى أن لا يقدر بشي فأزال يبقى أحد من أقرانه يحكم بموته، وفي الكافي والأرق
بالناس أن يقدر بتسعين لأنه أقل، والشيخ أبو بكر محمد بن الفضل والشيخ أبو بكر
محمد بن حامد قدسهما بتسعين سنة وعليه الفتوى قال الصدر الشهيد في شرحه: ما قال
محمد أحمط، وفي التهذيب: والفتوى في زماننا على تأيين سنة

(٧) وفي خلاصة التمارك: ٤٣٧/٤؛ قال رضي الله عنه وفي الأصل أن المفقود يعتبر حياً
في حق نفسه حتى لا يقسم ماله بين ورثته ولا يتزوج امرأته ----- ويندفع استحقاق
ورثته حتى يتقضى من المدة ما يحل من ثلثه لا يبيش الخ لثلاث المدة وذلك يعرف بموت
أقرانه ولو بقي من أقرانه واحد لا يحكم بموته والأرق أن يعتبر موت أقرانه في بلده
لا في الدنيا والإمام أبو بكر محمد بن الفضل والإمام أبو بكر محمد بن حامد رحمهما الله قدسهما
بتسعين سنة قال الصدر الشهيد وعليه الفتوى، والإمام السرخسي يعتبر موت الأقران
فبعد مضي هذه المدة يعتبر ميتاً في ماله ليعتد تمت المدة -

(٨) وفي تليغ الفتاوى الحامدية: ١٠٨/١؛ مثل في مفقود مات أقرانه في بلده فهل يحكم
بموته لوجه الشرى؟ الجواب: نعم يحكم بموته، موت أقرانه في بلده على المذهب تنوير وفي
البرازية تسعون سنة قال الصدر الشهيد وعليه الفتوى -

(٩) وفي الفتاوى الأقرانية: ١٦٩/١؛ عن أبي حنيفة أن مدة الفقد مفقودة الح
رأى القاضي فيحكم بما أدرك إليه اجتاده فيقسم ماله حينئذ بين الأحياء من ورثته، وهذا
لص على أنه إنما يحكم بموته لبقاء لأنه أسرحل فالتم ينقسم إليه القضاء لا يكون حجة، من
مفقود الغنية، والاعتبار في موت المفقود موت أقرانه، وقيل تسعون سنة وبه يفتى -

